جاحظ کے تنقیدی افکار

سید احتشام احمد صاحب ندوی ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ ایچ (علیگ)
لکچرر شعبہ عربی، وینکٹیشور یونیورسٹی آندھرا پردیش

جاحظ کی شخصیت عربی ادب کی پیشانی کا نور ہے وہ ایک ادیب، عالم، متکلم اور ناقد کی حیثیت سے مشہور ہے۔ دور جدید میں جب عربوں نے اپنے تنقیدی سرمایہ کا جائزہ لیا تو انھوں نے محسوس کیا کہ جاحظ نے تیسری صدی کے نصف اول ہی میں جو تنقیدی و ادبی کارنامے انجام دیئے ہیں وہ دوسرے ناقدوں کے لئے نشان راہ ثابت ہوئے اور جو تنقیدی مباحث اس نے اپنی کتابوں میں پیش کئے ہیں وہ غیر معمولی اہمیت اور عظمت کے حامل ہیں۔ اسی تصور کے پیش نظر داؤد سلوم نے ایک مفصل کتاب تصنیف کی جس میں جاحظ کی ناقدانہ عظمت کے تمام پہلوؤں کو پوری طرح اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا نام انھوں نے "النقد المنهجي عند الجاحظ" رکھا ہے۔ یہ ایک علمی اعتراف ہے جو عربوں نے جاحظ کی تنقیدی کاوشوں کے صلہ میں کیا ہے۔

بلاشبہ جاحظ نے عربوں کے ان تمام تنقیدی مباحث کو اپنی کتابوں میں پیش کیا ہے جو جاہلیت سے اس کے دور تک اہل نظر میں موجود تھے اور زیر بحث آتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ جاحظ نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ ان مترجمہ یونانی کتابوں سے اکتساب فکر و نظر کرے جو بڑی تیزی سے

یونانی سے عربی میں منتقل کی جا رہی تھیں اور ان کے اثرات پوری سوسائٹی اور علمی حلقے میں پھیل رہے تھے چنانچہ جاحظ کے یہاں ہم کو ارسطو، افلاطون، بقراط اور دوسرے بہت سے یونانی مفکرین کے نام ملتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت بھی بالکل واضح ہے کہ جاحظ یونانی فکر کے کما حقہ استفادہ سے محروم رہے، اگرچہ جیسا کہ داؤد سلوم نے اس پہلو پر روشنی ڈالی کہ ارسطو کے اثرات ان کے یہاں موجود ہیں مگر یہ سب ایک ناقص عکس کی حیثیت سے آگے نہیں بڑھتے[1]

جاحظ کے یہاں منتشر خیالات کا ایک انبار ہے جس میں ان کی ذاتی رائیں کم اور دوسروں کے اقوال وخیالات زیادہ ہیں۔ جاحظ نے اگرچہ تمام مسائل تنقید کا ذکر کیا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اس کی بحثوں میں تفصیل وتحلیل کی غیر معمولی تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔

جاحظ کا خیال ہے کہ حسن الفاظ اور معانی کے تناسب میں پوشیدہ ہے جیسے معانی ہوں انھیں کی مناسبت سے الفاظ استعمال کرنے لازم ہیں۔ اصل میں کلام میں ہر شخص کو اس کی صلاحیت واستعداد کے مطابق اور اپنے مرتبہ کے پیش نظر اپنی بات ذہن نشین کرانا ہی ادیب کی عظمت کی دلیل ہے[2]۔ اسی حقیقت کو وہ کتاب الحیوان میں اس طرح آشکارا کرتا ہے "گفتگو کی ہر قسم کے لئے اسی طرز کے الفاظ ہوتے ہیں، معانی کی تعبیر کے لئے اسی طرز کے اسماء ہیں تو سخیف اشیاء کے لئے سخیف الفاظ عمدہ معانی کے لئے عمدہ الفاظ، اسی طرح صراحت، کنایہ اور تفصیل وغیرہ سے اپنے مناسب محل وموضوع پر ہی کلام کو حسن ملتا ہے[3]"

اسی موضوع پر جاحظ نے لکھا ہے کہ عوام اور دیہاتیوں کے الفاظ الگ ہوتے ہیں۔ یہ ادیب کے لئے غیر معمولی اہمیت کی حامل بات ہے کہ وہ کلام کو اس کی صحیح جگہ پر استعمال کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ جاحظ کی اس فکر انگیز رائے سے آگے چل کر اہل نظر ناقدوں کو ایک نئی راہ

---

[1] کتاب الحیوان ج ۱ ص ۷۴ [2] البیان والتبیین ج ۱ ص ۹۱

[3] کتاب الحیوان مرتبہ عبدالسلام ہارون ج ۳ ص ۳۱۱

دکھائی اور یہی وہ بنیادی تصور تھا جس کی وجہ سے جاحظ کے بعد علماء بلاغت اور اہل نقد نے یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ بلاغت کا انحصار کلام کے مقتضائے حال کے مطابق ہونے پر ہے[1]۔ اس طرح یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ بلاغت کی تعریف جاحظ کی عطا کردہ ہے۔

وہ ایک اور دلچسپ اور پر از حقیقت بات کہتا ہے کہ ہر انسان گفتگو کرتا ہے اور الٹے سیدھے اپنی بات دوسروں تک پہونچا دیتا ہے مگر اپنے مافی الضمیر کو دوسروں تک پہونچا دینا ہرگز بلاغت میں شمار نہیں ہوگا۔ بلیغ وہ ہے جو اپنی ضرورت کو عمدہ، پرکشش اور خالص عربی اسلوب میں پیش کرے[2]۔

جاحظ نے اشعار کے ترجمہ کے بارے میں یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ اشعار کا ترجمہ نامناسب ہوتا ہے اس لئے کہ اس کا وزن اور نظم کا حسن ختم ہو جاتا ہے اور وہ مقامات جو زیادہ پرکشش ہوتے ہیں ترجمہ میں چھپ جاتے ہیں[3]۔

وصف اور وہ خیال جو کسی حقیقت کا ترجمان ہو شعر کو زندگی بخشتا اور جاندار بنا دیتا ہے یہ صلاحیت ہر شاعر کے اندر نہیں ہوتی اس لئے کہ شعراء کی صلاحیتیں بھی ایک مخصوص پہلو کی حامل ہوتی ہیں چنانچہ اگر امرؤ القیس جیسا شاعر عنترہ کے طرز سے بات کہنی چاہے تو یقیناً ناکامیاب رہے گا۔

باقلانی نے کتاب البیان والتبیین پر بڑی عمدہ تنقید کی ہے انھوں نے لکھا ہے کہ اس کتاب میں مؤلف نے دوسروں کے اقوال جمع کر دئے ہیں اور خود کچھ نہیں کیا ہے[4]۔

داؤد سلوم نے بلاوجہ ابن سلام سے جاحظ کا مقابلہ کرکے جاحظ کو ان سے

---

[1] النقد المنہجی عند الجاحظ تالیف داؤد سلوم مطبعۃ المعارف ص ۹۱

[2] البیان والتبیین ج ۱ ص ۱۶۱-۱۶۲ [3] کتاب الحیوان ج ۱ ص ۷۴-۷۵

[4] اعجاز القرآن ص ۲۷۷

بہتر قرار دیا ہے[1]۔ اس میں شبہ نہیں کہ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا ہوگا اور چونکہ اتنی بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ ابن سلام نے اپنی کتاب جاحظ سے پہلے لکھی تھی ابن سلام جمحی کی وفات ۲۲۳ھ میں ہوئی اور جاحظ کا سنہ وفات ۲۵۵ھ ہے۔ ممکن ہے کسی وجہ سے جاحظ نے ابن سلام سے استفادہ مناسب نہ سمجھا ہو۔ یہ بڑی زیادتی کی بات ہے کہ جاحظ کی تنقید کو ایک ایسی منظم تنقید شمار کیا جائے جو باقاعدہ اصول وقواعد پر مبنی ہو۔ چونکہ یہ دور ابتدائی کوششوں کا تھا عربوں کے پاس ادبی تنقید منظم اور مدون انداز میں نہ تھی کچھ لوگوں کی آرا تھیں کچھ اقوال تھے اور کتاب الشعر وکتاب الخطابت کی مدد سے عربی ناقدین عربی تنقید کے اصول مرتب کرنے اور اس کے مسائل پر غور کرنے میں مصروف تھے۔ انھیں مفکرین میں جاحظ کا شمار صف اول کے لوگوں میں ہوسکتا ہے مگر ان کے پاس مقرر اصول ومرتب ادبی تنقید کے نظریات نہیں تھے بلکہ اس کے برعکس میرے خیال سے ابن سلام کے تنقیدی مباحث جاحظ سے زیادہ ذہنی تعمق کا ثبوت دیتے ہیں اگرچہ وہ صرف چند مسائل سے متعلق ہیں جبکہ جاحظ کا میدان وسیع ہے وہ بے شمار تنقیدی مسائل سے تعرض کرتے ہیں۔

پھر بھی جاحظ کے یہاں بعض تنقیدی اقدار ایسی ملتی ہیں جو ابن سلام کے یہاں نہیں ہیں اور بعض امور پر جاحظ نے اچھی طرح روشنی ڈالی ہے۔

جاحظ نے طبیعت کی جولانی، فن کی خوبی، ترکیب کی لطافت اور شعریت کو اصل سمجھا ہے اور اسی کو شعر کی خوبی وخامی کا معیار قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک نہ ہمیشہ "بدوی" ہی اچھے شاعر ہیں اور نہ "مولد" ہی بلکہ کسی ایک طبقہ کو شاعری کے لئے مخصوص کرنا حقیقت سے اغماض برتنا ہے[2]۔

---

[1] النقد المنہجی عند الجاحظ مؤلفہ داؤد سلوم (مطبع معارف) قاہرہ ص ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱

[2] کتاب الحیوان مؤلفہ جاحظ مرتبہ عبدالسلام ہارون ج ۲ ص ۲۷

البتہ جاحظ کی یہ ایک مستقل رائے ہے کہ بدوی شعراء تمام متمدن و مہذب شعراء عرب سے زیادہ اچھے شاعر ہیں اس لئے کہ ان کی زندگی اور ان کے خیالات میں تکلف نہیں ہوتا۔ ویسے غلطیاں جس طرح مولّدین کرتے ہیں اسی طرح بدوی شعراء بھی کر سکتے ہیں اور جو کسی طبقہ کی واقعی خوبیوں کا اعتراف نہ کرے وہ محض شعر کا راوی اور حافظ ہے جو اس کے اندر کے مغز سے بے بہرہ ہے[1]۔

جاحظ اگرچہ السید حمیری کے خیالات کا مخالف تھا اور اس کی آراء کو پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن ایک جگہ اس کے ایک شعر کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ شعر بہت سے فنون پر حاوی ہے اور اچھا ہے[2]۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تنقید میں فنی عظمت سے اغماض نہیں برتتا تھا۔

جاحظ کی ایک عبارت سے ایسا مترشح ہوتا ہے کہ وہ فن اور اخلاق کو الگ الگ سمجھتا تھا اور وہ اشعار جن میں کچھ غیر اخلاقی پہلو نکلتے ہوں ان کو فنی نقطۂ سے دیکھتا تھا نہ کہ اخلاقی اقدار کے پیمانوں سے[3]۔

جاحظ کا خیال ہے کہ عربوں کی زبان علم بدیع کی وجہ سے دوسروں سے ممتاز ہے اور یہ خصوصیت دوسروں کو حاصل نہیں۔

وہ ادب کو علم و معرفت کا وسیلہ سمجھتا ہے۔ شاعرانہ خیالات جو ذہن پر مرتسم ہوتے ہیں وہی اس کی فضیلت کا باعث ہیں۔ شعر کے مقصد کے بارے میں بحث کرتے ہوئے جاحظ کہتا ہے کہ شعر و ادب کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان لذت حاصل کرے[4] اور اس کے دل کو ایک سکون کی کیفیت حاصل ہو۔ اسی کیفیت کو "ادب مقصور" سے تعبیر کرتا ہے یعنی وہ ادب یا شاعری جس کا نفع انسان کی ذات تک محدود ہو۔ شعر معلّم نہیں ہوتا وہ لذت بخش ہوتا ہے یہ بالکل وہی چیز

---

[1] کتاب الحیوان ج ۲ ص ۱۱۰ [2] کتاب الحیوان ج ۲ ص ۲۸۰
[3] کتاب الحیوان ج ۳ ص ۴۰-۴۱ [4] کتاب الحیوان ج ۱ ص ۷۹-۸۰

ہے جس کو ارسطو نے ٹریجڈی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ارسطو کے خیال سے ٹریجڈی میں ایک خاص لطف ہے جو اسی تک محدود ہے۔

جاحظ کی نگاہ میں شاعر کا کوئی تعلق صنعت، فلسفہ، منطق اور طب سے نہیں ہے یہ چیزیں تو کتابوں میں مدوّن ہیں اشعار کہیں مدوّن پہلے سے نہیں ہوتے وہ ایک خاص لذت پڑھنے والے کو بخشتے ہیں[1]۔

جاحظ شعر کے متعلق کہتا ہے کہ "وہ بناوٹ کی ایک قسم ہے اور تصویر کا ایک طرز ہے[2]۔" اس شاعرانہ خوبی کے لئے جاحظ کی نظر میں وزن اور الفاظ کا انتخاب ضروری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ تالیف کی صحت، فطری روانی اور رونق کو شعر کے ضروری اجزا قرار دیتا ہے[3]۔

جاحظ نے عربی تنقید میں سب سے پہلے یہ مسئلہ اٹھایا کہ کلام میں حسن کا مرجع الفاظ ہوتے ہیں یا معانی؟ پھر اس نے اپنا یہ نظریہ پیش کیا کہ "معانی عربی، عجمی، بدوی اور شہری سب ہی جانتے ہیں اصل کمال وزن کے قیام، الفاظ کے انتخاب، مخرج کی سہولت، حسن و رونق کی موجودگی آمد و طبیعت کی فراوانی اور لطافت ترکیب میں پوشیدہ ہے[4]۔

جاحظ کی یہ تنقیدی آرا غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں اس کے نظریہ سے متاثر ہو کر عبدالقاہر جرجانی کے علاوہ تقریباً تمام ناقدوں نے الفاظ کو کلام و شعر میں حسن کا مرجع قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ معانی کو نئے قالب میں ڈھالنا حسن پیدا کرتا ہے۔ معانی خواہ کتنے عمدہ ہوں اگر الفاظ کا پرکشش قالب نہ ہو تو پھر حسن کہاں باقی رہتا ہے۔ آمدی، قاضی جرجانی، ابن سنان، خفاجی، عسکری اور دوسرے ناقدوں نے جاحظ کے اس نظریہ کو قبول کیا ہے حتیٰ کہ ابن خلدون نے بھی اسی خیال کی تائید کی ہے اور الفاظ کو معانی پر فضیلت دی ہے[5]۔

---

[1] النقد المنہجی عند الجاحظ ص ۳۴۔ ۳۵ [2] الحیوان ج ۳ ص ۳۱ [3] ایضاً
[4] کتاب الحیوان ج ۳ ص ۱۳۱ [5] مقدمہ ابن خلدون مکتبہ تجاریہ کبریٰ مصر ص ۵۷۷

جاحظ نے ادبی سرقات پر ایک فکر انگیز بحث کی ہے اس نے لکھا ہے کہ سرقہ معانی میں ہوتا ہی نہیں بلکہ الفاظ میں ہوتا ہے معانی میں تو سب شریک ہوتے ہیں اصل اختلافات الفاظ اور بحروں میں ظاہر ہوتے ہیں اور ان کی چوری اصل چوری ہے ورنہ معانی کے بارے میں یہ دعوی مشکل ہے کہ کون زیادہ ان کا مستحق ہے[1]۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آمدی، قاضی جرجانی اور — عسکری نے جو یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ معانی اکثر مشترک ہوتے ہیں لہذا ان میں سرقہ کا سوال نہیں۔ فرض کیجئے کہ ایک شاعر محبوب کے چہرے کو چاند سے تشبیہ دیتا ہے تو اس میں کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ فلاں شاعر نے بھی ایسی تشبیہ دی تھی لہذا یہ سرقہ ہے کیونکہ انسانی زندگی میں بہت سے معانی مشترک و معروف ہیں۔ البتہ بعد میں بعض ناقدوں نے اس نظریہ پر اضافہ کیا ہے کہ اگر کوئی شاعر اپنی جدت طبع اور ذہانت سے کوئی نئے معنی پیدا کرتا ہے تو اس کو جوں کا توں لینا چوری ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ جاحظ ایسا صاحب فکر و نظر ایک طرف یہ اعتراف کرتا ہے کہ اہل یونان فن خطابت سے پوری واقفیت رکھتے تھے ان کو اس کا علم تھا کہ کلام کا صحیح موقع استعمال کیا ہے لیکن ان میں کوئی خطیب پیدا نہ ہوا، اہل عرب ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان میں خطباء ہیں۔ طہ حسین اس رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ محض جاحظ کی عدم واقفیت ہے[2]۔

اسی طرح جاحظ نے یہ نظریہ بھی پیش کیا ہے کہ بلاغت صرف عربوں کی خصوصیت ہے اور یہ علم دنیا کی قوموں میں سے کسی دوسری قوم کو حاصل نہیں[3]۔

جاحظ کا یہ خیال بھی عدم واقفیت پر مبنی ہے کہ اہل یونان شاعری سے واقف نہ تھے بلکہ فلسفہ و منطق میں مہارت رکھتے تھے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ افلاطون، ارسطو، اقلیدس اور

---

[1] الحیوان ج ۳ ص ۱۳۱ [2] نقد النثر مؤلفہ قدامہ بن جعفر مرتبہ ڈاکٹر طہ حسین ص ۶

[3] البیان والتبیین مصنفہ جاحظ مرتبہ حسن السندوبی ج ۳ ص ۲۵ - ۲۶

دیموقرس وغیرہ نے شاعری کی ابتداء سے ہزاروں سال قبل (کتابیں) لکھی تھیں[1]۔

اس لحاظ سے کہ جاحظ کا دور بالکل ابتدائی دور ہے یعنی اس کی تاریخ وفات ۲۵۵ھ ہے اس دور میں جن تنقیدی خیالات کا اظہار اس نے کیا ہے اور جن مسائل کو اس نے اٹھایا ہے وہ اس کی ذہانت، وسعت مطالعہ اور علم وادب میں گہری نظر کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ یہ مسائل یقیناً ایک پختہ ذہن ہی کی پیداوار ہو سکتے ہیں۔ اس کے بارے میں بجا طور پر یہ تبصرہ کیا گیا ہے کہ "تعلم العقل اولاً والادب ثانیاً" یعنی جاحظ نے عقل پہلے سیکھی تھی اور ادب بعد میں۔

---

[1] کتاب الحیوان ج ۱ ص ۴۷

حیات ذاکر حسین

مولف: خورشید مصطفےٰ صاحب رضوی

صدر جمہوریۂ ہند جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کی خدمت علم اور ایثار و قربانی سے بھرپور زندگی کی کہانی جس پر پروفیسر رشید احمد صدیقی نے پیش لفظ تحریر فرمایا اور اس کتاب کو قابل رشک و تحسین قرار دیا ہے۔ یہ کتاب متعدد انگریزی، اردو کی کتابوں، ملکی اور غیر ملکی رسائل و اخبارات کی چھان بین کے بعد تلمبند کی گئی ہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی تاریخ کے اہم دور یعنی ذاکر صاحب کے زمانہ کے حالات و واقعات سے مستند ترین حوالوں اور خود ذاکر صاحب سے متعدد ملاقاتوں کی روشنی میں پہلی بار پردہ اٹھایا گیا ہے۔ کتابت طباعت اور کاغذ بہتر۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ عمدہ پارچہ کی جلد۔ قیمت آٹھ روپے

مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶